ثمینہ طاہر بٹ

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام

الیکشن اِن ایکشن

ثمینہ طاہر بٹ

"بھابھی ساڈی شیر اے۔۔۔باقی ھیر پھیر اے۔
بھابھی ساڈی آوے ای آوے۔
بھابھی دے نعرے وجن گے۔۔ دشمن سارے بجن گے۔
او بھابھی آگئی میدان میں۔۔ہے جمالو۔
بھابھی ساڈی شیر اے۔۔۔تے باؤ مٹی داڈھیر اے۔"

۔"غریب کی جورو، سب کی بھابھی۔"توسنا ہی ہو گا آپ نے۔ مگر یہ "بھابھی" کسی غریب غربا کی بھابھی یا زوجہ محترمہ نہیں ہیں۔ یہ تو اپنے علاقے کی بہت مشہور و معروف ہستی ہیں۔"جگت بھابھی" بھی کہہ سکتے ہیں آپ انہیں۔ اپنے علاقے کے سابق ناظمِ اعلیٰ" جناب عزت مآب باؤ رفیق صاحب" کی بڑی بھابھی صاحبہ ہونے کا اعزاز تو انہیں شروع سے ہی حاصل رہا تھا۔ مگر اب رہتی کسر ان الیکشنوں کے شور و غوغا نے پوری کر دی تھی۔ جوں ہی بلدیاتی الیکشنز کروائے جانے کا رولا مچا، اور ہر اخبار اور ہر نیوز چینل کی شہہ سرخی اور بریکنگ نیوز یہ خبر بنی، بھابھی بیگم کی بھی سوئی ہوئی ساری حسیات نعرہِ مستانہ لگا کر جاگ اٹھیں۔ اُدھر ان کے دیور راجہ باؤ رفیق صاحب ایکبار پھر پرجوش اور پر عزم ہو کر میدانِ عمل میں کودنے کے لیئے پر پرزے تول رہے تھے، اور اِدھر بھابھی صاحبہ خوابوں، خیالوں میں خود کو علاقے کی مشہور و معروف ناظمِ اعلیٰ" محترمہ رضوانہ رحیم ایم پی اے۔۔ ایم این اے" کے روپ میں دیکھ کر ہی پھولے نہ سما رہی تھیں۔۔ اور اگر وہ ایسا کر بھی رہی تھیں، اسمیں انکا کیا قصور تھا بھلا۔؟

ارے بھئی۔۔ وہ خود سے تو نہیں چاہتیں تھیں ناں سیاست کے اکھاڑے میں اترنا، اور وہ بھی باؤ فیقے کی جگہ۔۔ یہ شدنی تو انکے مداحین، انکی سہلیوں اور انکے شوہروں کی پھیلائی ہوئی تھی۔۔ ارے۔۔ آپکو یقین نہیں آرہا۔؟

اوہو۔!! آپ بھی سچ ہی کہتے ہیں۔ آپ بھلا کہاں جانتے ہیں بھابھی اور انکے اہل علاقہ کو۔ اور نہ آپ باؤ رفیق اور انکے رفقاء کو جانتے ہیں۔ چلیں۔۔ کوئی بات نہیں۔ اجی۔ ہم ہیں ناں۔ ہم کس مرض کی دوا ہیں بھلا۔۔ ابھی لے چلتے ہیں آپکو بھابھی اور باؤ سے ملوانے۔

یہ سمن آباد کا خاصا گنجان آباد اور معروف علاقہ تھا۔ جب بھابھی بیاہ کر یہاں آئی تو پہلے پہل وہ گھبرا ہی گئیں۔ انہیں یہ گھر (جس میں وہ بیاہ کر نئی نئی وارد ہوئی تھیں) گھر کم اور سرائے زیادہ لگتا تھا۔ جیسے دیکھو، جب دیکھو مُنہ اٹھائے چلا آرہا ہے۔" خالہ سلام، چاچی سلام، مامی سلام، پھوپھی سلام۔۔" اور ان سب سلاموں کے ساتھ ساتھ "بھابھی سلام" کا نعرہ مستانہ بھی ضرور گونجتا۔۔ اور

وہ اتنے زوردار اور باآواز بلند بھیجی جانے والی سلامتی کا جواب ابھی وہ مُنہ ہی مُنہ میں بدبدا ہی رہی ہوتی کہ انکی ساس صاحبہ کی کوئی نئی بھانجی، کوئی نئی بھتیجی یا پھر اسی نوع کی کوئی اور ہستی آن وارد ہوتی۔

اب انکی ساس بے چاری بھی کیا کرتیں۔ کیسے منع کر سکتیں تھیں گھر آئے لوگوں کو، کہ "بی بی۔۔ بیٹا۔۔ وقت اور ویلا دیکھ کر اینٹری دیا کرو، کہ اب میں اس گھر میں، میں اکیلی نہیں ہوتی، خیر سے نوی نوی نوں رانی بھی پائی جاتی ہے یہاں۔" مگر اب کیا ہو سکتا تھا۔ وہ پنجابی کی ایک مشہور کہاوت ہے ناں کہ۔۔۔

"عادت پئی کڑی نوں۔ جاندی بڈھی اُڑی نوں" (بچپن کی عادت بڑھاپے تک ساتھ چلتی ہے) ۔ تو بس جناب۔۔ یہ والا ہی معاملہ تھا یہاں بھی۔ گلی محلے کی عادات تو ساس صاحبہ پہلے ہی خراب کر چکی تھیں۔۔ اب انہیں ٹوکتی بھی تو بھلا کیسے۔؟ بھابھی کی ساس صاحبہ بھی جگت اماں تھیں، اور پھر آہستہ آہستہ یہ رتبہ، یہ حیثیت بھابھی کی طرف منتقل ہو گیا۔ انکے سسر مرحوم بھی اپنی زندگی میں علاقے بھر کی بے حد معزز اور معتبر شخصیت رہے تھے۔ انکے پاس ہر کوئی اپنے مسلے مسائل لیئے بلا جھجھک چلا آتا تھا، اور وہ دامے، ورمے۔ سخنے اسکی مدد کیا کرتے تھے۔ واقعی، انکے در سے کبھی کوئی خالی ہاتھ نہیں لوٹا تھا اور یہی حال انکی بیگم اور پھر انکے دونوں بیٹوں کا بھی تھا۔ اور انکی وفات کے بعد بھی یہ سلسلہ یونہی چل رہا تھا۔

اور جناب، کہانی میں مزے دار ساٹوئیسٹ تو اس وقت آیا، جب بھابھی بیگم کے چھوٹے دیور باؤ رفیق نے اہلِ علاقہ اور اپنے رفقاء کے پرزور اصرار پر الیکشن میں حصہ لیا، اور پھر مزے کی بات کہ وہ کامیاب بھی ہو گئے۔ اور اب تو انکی شان ہی نرالی تھی۔ باؤ رفیق صاحب جدھر سے گذرتے انکی خدمت میں ٹھکا ٹھک سلامیں پیش کی جاتیں، حُسن ان پر علیحدہ سے چھپر پھاڑ کر برس رہا تھا، اور اس پر رہتی کسر ان کے لیئے آئے تابڑ توڑ رشتوں نے پوری کر دی۔ اماں تو اس صورتِ حال سے بوکھلائی ہی، بھابھی کی تو آنکھیں بھی پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ جب مخالف پارٹی کے سربراہ صاحب اپنی دخترِ نیک اختر کا رشتہ لے کر بنفسِ نفیس خود تشریف لے آئے۔۔ ہاہ۔!!۔ لو بھلا۔۔ ایسا بھی ہوا ہے کبھی۔۔ سیاسی میدان میں دو انتہائی درجے کے مخالفین اور رشتہ۔۔؟ مگر یہ رشتہ تو ہونا ہی تھا، کیونکہ اوپر والے کی مُہر قبولیت تو اس پر لگ ہی چکی تھی۔ باؤ رفیق اور باؤ رحیم بھی بڑے پر جوش ہو رہے تھے۔ انکی خوشی تو سنبھالے نہیں سنبھل رہی تھی۔ اسی لیئے سب کو سمجھاتے پھر رہے تھے۔

"ارے ماں جی۔!! آپکو نہیں پتا۔ سیاست میں سب چلتا ہے۔ عوام کو دکھانے کے لیئے اوپر اوپر سے مُنہ ماری اور الزام تراشیاں تو کی جاتی ہیں۔ مگر اندر سے سب ایک ہی ہوتے ہیں۔ فکر نہ کریں آپ۔ ہمارے ووٹ کہیں نہیں جاتے، بلکہ رفیق کی شادی کے بعد دیکھنا آپ، مخالفین کے ووٹ بھی ہماری ہی جھولی میں آن گریں گے۔ بھئی، آخر کو داماد ہو گا انکا، تو کیا سسر صاحب داماد کو جتوانا پسند نہیں کریں گے۔۔ اور پھر ترپ کا پتا، انکی بیٹی تو ہو گی ہی ہمارے ہاتھ۔۔ خود ہی کر لے گی سب ہینڈل۔!!" جی۔۔ یہ تھے باؤ رحیم، کم سخن۔۔ کم گو اور سنجیدہ مزاج۔

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-

ہائے ری بی بی سیاست۔۔ تیرے تو کھیل واقعی ہی بڑے نرالے ہیں۔ جس کے ہاتھ میں چھڑی نہیں ہوتی اسکے ہاتھ میں بندوق تھما دیتی ہے اور جسکے مُنہ میں زبان نہ ہو، اسکے مُنہ میں گز بھر لمبی زبان آجاتی ہے۔ اماں تو حیران ہوئی ہی تھیں۔ بھابھی تو پریشان ہی ہو گئیں تھیں۔۔ اور پھر جلد ہی انکی پریشانیوں کو دوچند کرنے کے لیئے انکی اکلوتی دیورانی صاحبہ، انکے باؤ رفیق کی رفیقہ حیات عزیزی عذرا پروین خوب دھوم دھڑکے کے ساتھ تشریف لے ہی آئیں۔
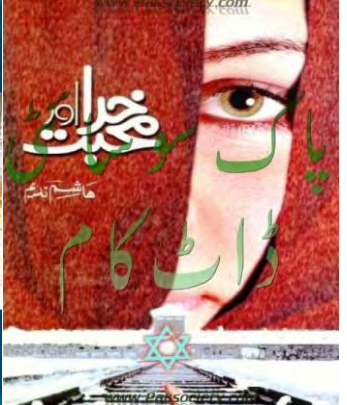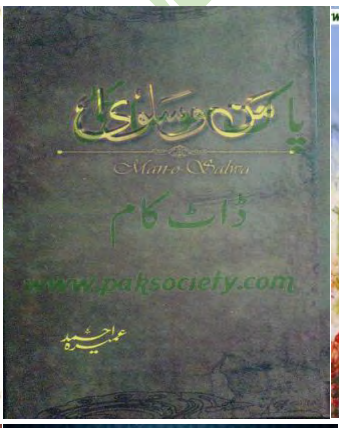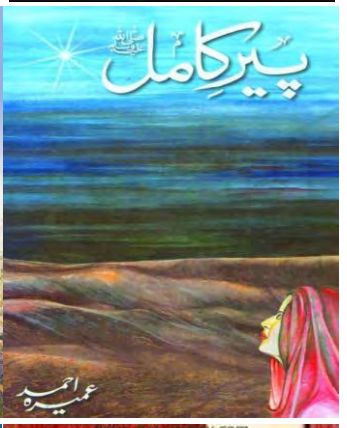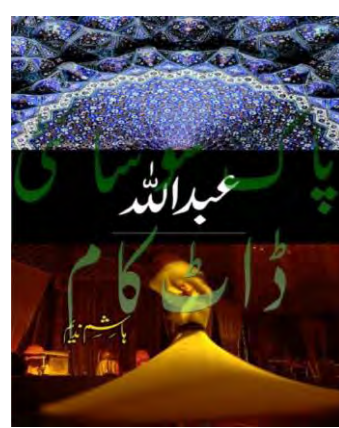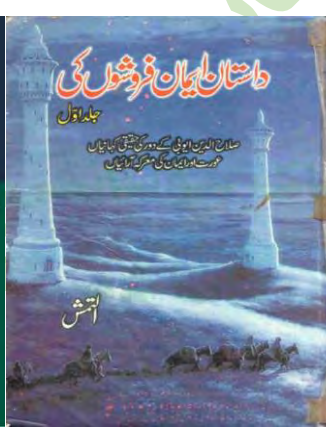
ہاں جی۔۔ اکلوتا دیور، پھر اہم ترین "پوسٹ" پر فائیز۔ عزت شہرت، دولت جسکی وجہ سے انکے گھر کی باندیاں بنیں، ہاتھ جوڑے، سر نہواڑے انکی دہلیز پر ہی براجمان رہتی ہوں۔۔ بھابھی بیگم بھلا کیسے اس سے لاتعلق رہ سکتیں تھی۔ پھر اس شادی سے تو بقول رحیم باؤ کے ان سب کی دسوں گھی میں ہونے والی تھیں اور سر کڑاہی میں۔۔ سو، انہوں نے خوب جم کر لڈیاں ڈالیں، بھر بھر تھال لڈو پیڑے بانٹے اور پورے شگن مناتے ہوئے، کشادہ دل اور کھلی بانہوں کے ساتھ عذرا پروین کو بیاہ لائیں۔۔۔ لو جی۔۔ دیور جی شادی کے شروع کے دن۔۔ اور دیورانی جی نخرے، ادائیں، نزاکتیں۔۔ اور پھر بات بات میں اسکا ایک ادا سے کہنا۔۔ "میرے ابا جی یہ۔۔ میرے ابا جی وہ۔۔۔ "پہلے پہل تو وہ خود پر جبر کر کے برداشت کرتی رہیں۔۔ مگر کب تک۔۔ جیسے ہی دیورانی صاحبہ نے گھر کے ساتھ ساتھ باہر بھی انکی جگہ لینے کی جسارت کی، وہ کھول کر رہ گئیں۔ بھئی آخر کو وہ پچھلے سات سالوں سے تو وہ ہی محلے بھر کی "بھابھی" تھیں۔ ادھر کسی ہمسائی کو کوئی گھریلو مسئلہ ہوا، اُدھر حل بھابھی کے پاس تیار۔ اگر کسی کے باپ، بھائی یا شوہر کو کوئی آفیشل یا کاروباری پرابلم ہوئی، بھابھی بیگم فوراً سفارشی بن کر باؤ رفیق کے پاس جا پہنچیں اور انکا مسئلہ دیکھتے دیکھتے حل۔۔ اور تو اور، جہاں کسی ساس بہو، یا نند بھابھی کے دوران طبلِ جنگ بجا۔ گھر والوں نے ہر کارے بھابھی کی طرف دوڑائے۔۔ اور نتیجہ۔۔ فریقین کے مابین صلح صفائی اور امن پھر سے بحال۔۔ حتیٰ کہ بچوں کے اسکول داخلے کی پریشانی بھی بھابھی کے ناتواں شانوں پر ہی دھری جاتی اور رزلٹ حسبِ منشاء ہی نکلتا۔ غرض کہ ہر وقت اور ہر جگہ بھابھی ہی بھابھی ہوتا رہتا تھا۔۔ اور اب۔۔ اب یہ حال ہو گیا تھا کہ " روتے ہیں چھم چھم چین، اجڑ گیا نین" کے مصداق بھابھی اپنی نشست غیر محسوس انداز سے عذرا پروین کے قبضے میں جاتی دیکھ رہی تھیں، مگر کچھ کر نہ پا رہی تھیں کہ عذرا کے پاس پوری کی پوری "ویٹو پاور" تھی۔ کیونکہ وہ ہر جگہ ہر کسی سے برملا کہتی پھرتی تھی۔ ۔ "میرے ابا جی ماضی کے سیاستدان۔ میرا میاں حال کا سیاستدان۔ میں مستقبل کی سیاستدان۔۔ ارے سیاست تو میرے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے۔!!" اب دیورانی جی کے اس کھلے ڈلے چیلنج کے بعد بھی اگر بھابھی کوئی عملی قدم نہ اٹھاتی تو کیا کرتی بھلا۔؟ اور پھر اس پر انکے مداحین۔۔ انکی ہمسائیاں اور سہلیاں۔۔ اور وہ سارے کے سارے گلی محلے کے دیور جو اکثر و بیشتر اپنے مسائل کا انبار لیئے انکے پاس بھاگے چلے آتے تھے۔ وہ سب کے سب دل سے انکے حامی تھے۔ اور پھر انکے ایماء اور پر زور اصرار پر ہی تو وہ اس نہج پر سوچ پائی تھیں۔ پھر جیسے ہی الیکشنز کے انعقاد کا اعلان ہوا، بھابھی بیگم بھی کمر کس کر میدانِ سیاست میں کود پڑیں۔

"وے باؤ۔!!اس بار میرے کاغذاتِ نامزدگی جمع کرواؤ۔ میں نے کہہ دیا ہے، پہلا حق میرا بنتا ہے لیڈی کونسلر کی کرسی پر۔ تیری زنانی اگلی بار کوشش کرلے۔۔ مگر اسبار تو یہ سیٹ میری ہی ہے بس۔۔ کہہ دیا ہے میں نے۔۔ہاں۔!!۔"عین اسوقت جب باؤ رفیق صاحب اپنی پارٹی کے سرکردہ اور اہم افراد کے ساتھ بیٹھے، نہایت اہم اور ضروری مسائل پر غور و فکر فرما رہے تھے کہ "ٹھاہ" کی زوردار آواز کیساتھ بیٹھک کا دروازہ کھلا، اور بھابھی پورے کروفر سے باؤجی کو حکم سناتی اندر داخل ہوئیں۔

"او!! بسم اللہ، بسم اللہ۔!!جی آیاں نوں بھابھی صاحبہ۔۔او، یہ تو بری اچھی بات ہے۔ آپ بھی ہماری پارٹی کے پلیٹ فارم سے الیکشن لڑنا چاہتی ہیں۔۔ آئیں جی آئیں۔۔ آرام سے بیہہ کے بات چیت کر لیتے ہیں۔!!۔"اس سے پہلے کہ باؤ رفیق یا باؤ رحیم ساری سچوئیشن کو سمجھتے اور اسے اپنے طریقے سے ہینڈل کرنے کی کوشش کر پاتے، انکی پارٹی کے ٹکٹ پر جیتنے والے صوبائی وزیر صاحب فوراً اپنی جگہ سے اٹھے اور کانوں تک باچھیں چیرتے۔۔خوش اخلاقی کے سابقہ تمام ریکارڈ توڑتے ہوئے، اپنی خالص لاہوری زبان میں انہیں ویلکم کہہ چکے تھے۔

اب آیا تھا صحیح معنوں میں اونٹ پہاڑ کے نیچے۔ اب اگر وہ دونوں بھابھی کو منع کرتے یا انہیں کوئی "لارالپا" لگانے کی کوشش کرتے تو عین ممکن تھا کہ پارٹی کی ہمدردی سے محروم ہو جاتے۔۔اور انکی جگہ اگر عذرا پرین کا نام پیش کرتے (جیسا کہ عذرا کے اباجی سے ڈیل ہو چکی تھی۔) تو محلے برادری کے سارے ووٹ بھی انکے ہاتھ سے نکل جاتے، کہ یہ تو وہ بھی دل سے مانتے تھے کہ عذرا پروین ابھی تک اہلِ علاقہ کے دل میں وہ مقام نہیں بنا پائی تھی جو بھابھی پچھلے آٹھ سالوں میں اپنی شبانہ روز خدمت سے بنا چکی تھیں۔ اور یوں بھابھی کو عین عروجِ محفل کے وقت اس طرح ڈرامائی انداز سے آتا دیکھ کر ایک طرف بیٹھی "مستقبل کی سیاستدان" عذرا پروین، زوجہ باؤ رفیق کے تن بدن میں آگ بھڑک اٹھی۔ گمان یہی غالب تھا کہ وہ ابھی جلتی بھنتی، بولتی بکتی میدان (بیٹھک) ہی چھوڑ کر بھاگ جائے گی، مگر بھلا ہو اسکے دونوں طرف بیٹھے باؤ رفیق اور باؤ رحیم کا جنہوں نے اسکے تیور بھانپتے ہوئے بروقت اسکے دونوں کہنیاں دبوچ کر اسکی ہر کوشش ناکام بنادی۔ اور پھر باقی کا سارا وقت وہ کینہ توز نگاہوں سے بھابھی بیگم کو ہی گھورتی رہی تھی جو بڑے مزے سے اپنی تعلیمی اسناد اور تمام ضروری ڈاکومنٹس وزیر صاحب کی خدمت میں پیش کر رہی تھیں۔ اور ساتھ ساتھ انکے ہر اوٹ پٹانگ سوال کا جواب ان سے بھی زیادہ اوٹ پٹانگ انداز سے دے رہی تھیں۔

"لوجی۔!!یہ بات تو فائنل ہو گئی ہے باؤ رحیم اور باؤ رفیق صاحب کہ ہماری پارٹی کی طرف سے اگلی خاتون امیدوار کا ٹکٹ بھابھی رضوانہ رحیم کو ہی دیا جائے گا۔ اب رہ گئیں محترمہ عذرا پروین صاحبہ تو یہ اپنے والد بزرگوار کی پارٹی کی طرف سے کھڑی ہو جائیں۔۔ یا پھر چاہیں تو آزاد امیدوار کے طور پر لڑائی کرلیں۔۔ ہمیں کوئی اعتراض نہیں۔۔ بھئی ہمارا تو پکا پکا ووٹ بھابھی صاحبہ کے لیئے ہی ہے۔!!"وزیر صاحب نے دانت نکوستے ہوئے ایکبار پھر بھابھی میں پھونک بھر دی تھی۔

"اوبھابھی جی۔۔!!اب آپ پکی رہیئے گا، اور تندیِ بادِ مخالف سے بالکل بھی مت گھبرائیے گا۔ ارے۔۔یہ تو آپکو زیادہ۔۔اور زیادہ انچا اڑانے کے لیئے چلے گی ہی۔ آپ بالکل بھی نہ ڈریئے گا۔ ہم آپ کے ساتھ ہیں۔!!"لو جی۔۔یہ وزیر صاحب کیا کم تھے بھابھی کو پھلانے کے لیئے کہ انکے حواری بھی کودپڑے میدان میں اپنے خوشامدی بیانات کے ساتھ انہیں چنے کے جھاڑ پر چڑھانے کے لیئے۔اور پھر بھابھی نے واقعی "زنانہ وار" ہر مخالفت، ہر تنقید کا مقابلہ کیا۔

اوہو بھئی۔!! پھر نہیں سمجھے۔؟ ارے، بھائی "زنانہ وار" کا مطلب "زنانہ وار" ہی ہوتا ہے۔ آنسوں، آہوں سے بھی بڑا کوئی ہتھیار ہوا ہے کبھی کوئی۔۔اور بھابھی بیگم نے ان زنانہ واروں کا نہ صرف مقابلہ کیا بلکہ ضرورت پڑنے پر انکا بے دریغ استعمال بھی کیا اور پھر اپنے تمام مخالفین کے چھکے چھڑوانے میں کامیاب ہو ہی گئیں۔ وہ تو پہلے ہی بہت مصروف رہتی تھیں، اب تو انکے دن اپنے رہے نہ راتیں۔ کاغذاتِ نامزدگی جمع کروانا، پھر الیکشن کمیشن کے "اوکھے اوکھے" سوالوں کے تابڑتوڑ حملوں سے خود کو بحفاظت نکال لانا ۔۔اور پھر حسبِ وعدہ پارٹی کا ٹکٹ بھی حاصل کر لینا کوئی آسان کام نہیں تھا مگر بھابھی نے اپنے بل بوتے پر یہ سب کر ہی دکھایا۔۔ ہاں جی۔ اپنے ہی بل بوتے پر۔ کیونکہ کاغذاتِ نامزدگی تک تو بے شک دیور جی اور میاں جی کے ساتھ ہی ہر جگہ آتی جاتی رہی تھیں۔ مگر مُنہ دونوں کے شملاً جنوباً پھرے رہتے تھے۔ اب یہ علیحدہ بات کہ رات کو بیٹھک میں بیٹھ کر سیاست کے داؤپیچ اور رموزاوقاف انکے دیور جی نے ہی انہیں سکھائے تھے۔ جی ہاں جی۔۔باؤ رحیم نے بالکل ٹھیک ہی کہا تھا کہ سیاست میں سب چلتا ہے۔

جیسے جیسے الیکشن کے دن قریب آتے جارہے تھے انکی کمپین زور پکڑتی جارہی تھی۔ عذرا پروین نے بظاہر تو خوب ہنگامہ کھڑا کیا تھا۔ سب سے ناراض ہو کر وہ میکے بھی جا بیٹھی تھی، مگر یہ سب سیاسی ڈرامہ بازی تھی۔ بھلا اپنے گھر کے ووٹ کون توڑتا ہے۔ اور پھر لوگوں کی ہمدردیاں بٹورنے کے لیئے، انکے جوش و جذبات کو ابھارنے کے لیئے ایسے چھوٹے موٹے ڈرامے تو کرنے ہی پڑتے ہیں۔ یہ سب سیاسی گُر انہیں عذرا پروین زوجہ باؤ رفیق کے ابا جی حضور سابقہ صدر حزبِ اختلاف "جناب عزت ماب الحاج غلام رسول صاحب" نے ہی تو سکھائے تھے۔ اور انکے بتائے گئے سارے گُر ہی بے مثل اور لاجواب ہی تو تھے جنکی وجہ سے انہیں فائدہ ہی فائدہ حاصل ہو رہا تھا۔ اور پھر انکے ایماء پر ہی عذرا پروین نے بھی بھابھی کے مدِ مقابل آزاد امیدوار کے طور پر کھڑا ہونے کا اعلان داغ کر اپنے تیئں چھکا لگا ہی ڈالا۔

۔ اب صورتِ حال یہ تھی کہ ایک ہی گھر سے تین تین امیدوار۔۔ایک ہی چھت پر لہراتے تین مختلف انتخابی نشانوں والے جھنڈے اور ایک ہی بیٹھک میں مختلف اوقات میں منعقد ہونے والی تین تین مختلف پارٹیز کی کارنر میٹنگز۔۔۔اور پھر ایک ہی محلے میں گونجنے والے تین مختلف لیڈران کے حق اور مخالف نعرے۔ اور سب سے زیادہ مزیدار صورتِ حال تو اس وقت بن جاتی جب ایک گلی سے بھابھی کے جانثار کارکن انکے انتخابی نشان والے جھنڈے لہراتے اور اس جھنڈے کے رنگ کے لباس اور دوپٹوں سے

خود کو سجائے جوش و خروش سے انکے حق میں نعرے مارتے بر امد ہوتے اور پورا علاقہ انکی ولولہ انگیز آوازوں سے گونج اٹھتا۔ ۔

بھابھی دے نعرے۔۔وجن گے۔۔دشمن سارے۔۔۔ پھجن گے۔ ۔بھابھی ساڈی۔۔آوے ای آوئے۔ ۔باؤجی جان دئیو۔۔۔بھابھی دی واری آن دئیو۔ ۔بھابھی ساڈی۔۔شیر اے۔۔۔تے باقی۔۔ہھیر پھیر اے۔۔۔تے باؤمٹی دا۔۔ڈھیر اے۔ ۔اوبھابھی ساڈی۔۔۔اوبھابھی ساڈی۔۔۔۔۔۔۔۔

اور اسی لمحے دوسری گلی سے عذرا پروین کے حمایئتی اسکے انتخابی نشان والے جھنڈے اور بینرز اٹھائے،اسکے جھنڈے کے رنگوں سے سر مُنہ رنگے جوش سے دیوانے ہوئے ڈھول کی تھاپ پر بھنگڑے ڈالتے چلے آتے اور سارا علاقہ ایکبار پھر جوشیلی آوازوں سے گونج اٹھتا۔۔آگئی عذرا۔۔چھا گئی عذرا۔۔دھوم ہر سو۔۔مچا گئی عذرا۔ ۔عذرا ساڈی۔۔۔آوے ای آوے۔ ۔عذرا ساڈی۔۔شیر اے۔۔عذرا ساڈی۔۔۔

۔اور عین اسی لمحے اسی جوش خروش کا بیبانگ دہل اظہار کرتی تیسری ٹولی،اپنے قائد کے رنگوں میں رنگی،ڈھول پیٹتی بھنگڑے ڈالتی کسی اور کونے سے نکل آتی اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے ڈھولوں کی تھاپوں اور تالیوں کی گونجوں میں وہ سارے نعرے کچھ ایسے گڈمڈ ہو جاتے کہ سمجھ میں ہی نہیں آتا کہ کون کیا کہہ رہا ہے۔وہ تینوں لاکھ جلسے جلوسوں میں ایک دوسرے کے خلاف تقریریں کرتے پھرتے،لاکھ ایکدوسرے کو دیکھ دیکھ کر ناک بھوں چڑھاتے مگر جیسے ہی گھر کے اندر داخل ہوتے ہاتھ پر ہاتھ مار کر ایک مشترکہ قہقہہ ضرور لگاتے اور باہر میدان عمل میں ایکدوسرے کے دست و گریبان ہوتے،بے تکلف ایکدوسرے کا سر اور کپڑے پھاڑتے انکے جیالے،متوالے،دیوانے اور پروانے پر جوش کارکنان اگر غلطی سے بھی انہیں اس طرح شیر و شکر دیکھ لیتے تو شائد انکا اس سارے سیاسی عمل سے بھروسہ ہی اٹھ جائے۔

باؤرفیق،بھابھی رضوانہ اور عذرا پروین کی الیکشن کمپین خوب زور و شور سے چل رہی تھی۔اہلِ علاقہ حیران پریشان کہ آخر ووٹ دیں تو کس کو دیں۔صرف وہ تینوں ہی نہیں،اب تو لگتا تھا کہ ہر گھر میں دو دو تین تین پارٹیاں بن چکی ہیں۔ساس صاحبہ اگر بھابھی کی پارٹی سے وابسطہ انکی شان میں قصیدہ گو ہیں تو انکی بہو صاحبہ بے دھڑک انکے سامنے بیٹھی عذرا پروین اور اسکی پارٹی کی شان میں رطب السان ہے۔اور پھر وہ دونوں اپنی اپنی لیڈران کی شان میں آسمان کے قلابے ملاتے ملاتے اسقدر آگے بڑھ جاتیں کہ ان دونوں کو بھول کر اپنے اگلے پچھلے حساب کتاب بے باک کرنے چڑھ دوڑتیں۔کہیں باپ بیٹے تو کہیں بھائی بھائی کے درمیان معرکے شروع ہو چکے تھے۔مگر کوئی فریق بھی ہار ماننے کو تیار نہیں تھا۔ہاں البتہ باؤرفیق کا معاملہ علیحدہ تھا۔وہ تو بڑی نشست کے حصول کے لیئے میدان میں اترے تھے،اور بھی اسی پارٹی کی ٹکٹ پر جس کی لیڈیز نشست کے لیئے بھابھی رضوانہ رحیم میدان کارزار میں کودیں تھیں۔۔پورے علاقے میں خوب چھل پہل تھی۔خوب رونق لگی رہتی دن رات۔جلسوں میں کھلی ڈلی تقریریں چلتیں تو جلوسوں میں کھلے ڈلے نعرے۔جیسے جیسے انتخابات نزدیک آتے جارہے تھے،ویسے ویسے ہی کارکنوں کے اندر کی وفاداریاں چھلانگیں مار مار

کر اپنا آپ دکھانے کو امڈتی چلی آ رہی تھیں۔ اور پھر جب اہلِ علاقہ اور اہلِ محلہ (بلکہ ساس بہوئیں اور نند بھاوجیں کہنا زیادہ مناسب رہے گا) پوری طرح دو دھڑوں میں بٹ گئے تو عذرا پروین صاحبہ نے ایکدم پلٹا کھایا اور اپنے اباجی کے حکم پر بھابھی رضوانہ رحیم کے حق میں بیٹھنے کا اعلان داغ دیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے تمام نیوز چینلز پر ڈھیں ڈھیں اور ڈھش ڈھش کی آوازوں کے ساتھ بریکنگ نیوز چل گئیں۔ بے چارے تمام نیوز رپوٹرز اور اینکر پرسنز دوڑیں لگا لگا، اور قیافے جوڑ جوڑ کر تھک گیئے، مگر اندر کی "اسٹوری" باہر نہ لا پائے۔ اور پھر بھابھی بیگم اور عذرا پروین کے سارے جیالے اور متوالے، وہ تمام بہوئیں اور دیورانیاں مُنہ میں انگلیاں دابے، ٹی وی اسکرینز کو گھور کر رہ گئیں جو کل تک عذرا پروین کے جھنڈے تلے اکٹھی ہو کر اپنی اپنی ساسوں اور جیٹھانیوں کے ساتھ "مُتکا" لگائے رکھتی تھیں۔ اب ان سے نگاہیں چراتی ہوئی عذرا بی بی کا بیان سن رہی تھیں جو کسی نیوز رپوٹر کے سوال کا جواب بڑی متانت سے دے رہی تھی۔

"لے دس بھلا۔!! جے آخر میں ان دونوں نے اسی طرح اکو مک ہو جانا تھا تو پھر ہمارے گھروں میں پواڑے کیوں ڈلوائے۔۔ ویکھ ناں بھابھی، کل تک یہ عذرا پروین کیسے نعرے لگواتی تھی بھابھی رضوانہ کے خلاف، اور کیا کیا زہر نہیں اگلتی تھی اپنی تقریروں میں انکے لیئے۔۔ اور آج، سب کچھ بھول بھال کس مُنہ سے انکی تعریفوں پر تعریفیں کیے جا رہی ہے میڈم جی۔۔۔ لو بھلا، ہمیں کیا پتا تھا کہ اخیر یہ ہونی ہے۔۔ جے ہمیں سوہی لگ جاتی تو ہم کیوں اپنے گھروں میں فساد ڈالتے۔؟" خالدہ نے ایک عرصے کے بعد اپنی جیٹھانی کو پہلے والے انداز اور لب و لہجے سے مخاطب کرتے ہوئے کہا تو وہ جو خود بھی ابھی تک حیرت کے سمندر میں غوطہ زن تھیں ایکدم ہنس دیں۔

"چھوڑ خالدہ۔!! میں تو تجھے پہلے ہی کہتی تھی۔ یہ سیاست کا کھیل ایسا ہی ہے۔ یہاں کچھ بھی خرفِ آخر نہیں ہوتا۔ کب کل کے دشمن آج کے دوست بن جائیں، اور کب کل کے دوست آج کے جانی دشمن۔۔ یہ کوئی نہیں سمجھ سکتا۔ مگر تم میری بات مانتی ہی نہیں تھیں۔۔ اب دیکھ لیا نہ خود۔۔ بدل رہا رنگ آسمان کیسے کیسے۔!!" اور وہ اکیلی کیا، یہاں تو سب ہی حق دق آسمان کو لمحہ بہ لمحہ رنگ بدلتے دیکھ رہے تھے۔

"ووٹ ہر انسان کا بنیادی اور پیدائیشی حق ہے۔ خواہ وہ کسی بھی رنگ و نسل، کسی بھی فرقے و مسلک سے تعلق رکھتا ہو۔ اگر آپکو اپنا کل بدلنا ہے تو، آپکو اپنے آج میں سمجھداری کا مظاہرہ کرنا ہو گا۔ اپنے ووٹ کا درست استعمال کر کے اپنے لیئے صحیح نمائیندہ چننا ہو گا۔ یہ آپکا فرض ہے اور آپکے وطن کا آپ پر حق۔ ووٹ پاکستان فار بیٹر پاکستان۔!!" یہ اور اسی قسم اور سلوگنز بھی ہر چینل پر دکھائے جا رہے تھے، جو ووٹرز کو بہت کچھ سوچنے پر مجبور کر رہے تھے۔ پرنٹ میڈیا کے ساتھ ساتھ الیکٹرانک میڈیا بھی جس طرح اپنے فرائضِ منصبی ادا کر رہا تھا۔ لگتا تھا کہ کئی اسبار کئی تاج اچھلیں گے، کئی برج گریں گے۔۔ کسی کو تخت ملے گا تو بہت سوں کا دھڑن تختہ بھی ہو جائے گا۔ ایسے میں اگر موروثی سیاست کا کھیل کھیلنے والے پھر سے برسرِ اقتدار آ جائیں تو۔۔۔۔؟؟ ۔ واقعی

ٹھیک کہتے کہنے والے کہ سیاست میں کچھ بھی حرفِ آخر نہیں ہوتا۔ مگر یہ شعور عوام کو ہونا ہی چاہئے ناں کہ ہمارا ہمدرد ہے اور کون صرف ہمیں لوٹنے کے لیئے میدان میں اترا ہے۔ "مومن تو ایک سوراخ سے دوبارہ ڈسا نہیں جا سکتا"۔۔۔ تو پھر ہم کون ہیں۔؟؟ جو بار بار ان سوراخوں کے مُنہ پر اپنے ہاتھ پاؤں رکھ دیتے ہیں کہ "آیئے جناب۔۔ اور آکر میں نیلوں نیل کر جائے کہ ہم اسی قابل ہیں۔" اور یہ بھی درست ہے کہ ووٹ ہمارا حق ہے اور اسکا درست استعمال بھی ہمیں ہی کرنا ہے۔ لہٰذا خوب سوچ سمجھ کر اپنے اس حق کا استعمال کرنا ہی ہمارا فرض ہے۔

پولنگ بوتھ کے باہر بھابھی اپنے حامیوں کے ساتھ نتایٔج کی منتظر کھڑی تھیں۔ جبکہ انکے کچھ فاصلے پر انکی مخالف امیدوار بھی اپنے لاؤلشکر کے ساتھ موجود تھیں، اور اپنی جیت کے لیئے حد سے زیادہ پر عزم تھیں۔ انہیں اپنی جیت کا پورا پورا یقین تھا کیونکہ وہ شروع دن سے ہی بھابھی رضوانہ اور عذرا پروین کے درمیان ہونے والے سیاسی معرکوں کا اپنے طور پر بھرپور فائدہ اٹھاتی چلی آئی تھیں۔ ۔ پھر تمام ووٹرز کو انکے گھروں سے نکالنے اور پولنگ بوتھس تک لانے لیجانے کے لیئے اس نے اپنے خرچ پر کئی گاڑیاں اور رکشے کرائے پر حاصل کر رکھے تھے۔ جبکہ بھابھی کی طرف سے ایسا کوئی بھی انتظام نہیں تھا۔ انہوں نے تو پہلے دن ہی کہہ دیا تھا کہ۔۔ ۔ "ووٹ آپ سب کے پاس وطن کی امانت ہے۔ اسے یوں رکشوں، ٹیکسیوں کے کرائے بچانے کے چکر میں، اور کھابوں، مرغوں چرغوں اور بریانیوں کے لالچ میں، سڑکوں اور نالیوں کی مرمتوں کے وعدوں کے عوض ضائع کرنے کی حماقت ہرگز نہ کریں۔ یہ آپکے پاس اپنے حقوق منوانے کے لیئے زبردست طاقت ہے۔ اسے کسی جھوٹے، فریبی اور نوسرباز کی باتوں میں آکر گنوا نہ بیٹھیئے گا۔ اگر آپ کو لگتا ہے کہ میں اور میرا خاندان آپکے کسی کام آرہا ہے، اور آئیندہ بھی ہم آپکے کام آسکتے ہیں تو ضرور ہمیں خدمت کا موقع دیں۔۔۔ ورنہ۔۔۔ جو آپکے خیال میں بہتر ہے، اسے ضرور آزمائیں۔!!" اور یہ تو سب ہی مانتے تھے کہ وہ اور انکا سارا خاندان (انکے سسر مرحوم سے لیکر انکے دیور تک۔) سب ہی پورے خلوص اور دلی سچائی کے ساتھ اپنے علاقے کے لوگوں کی خدمت میں ہمیشہ ہی کمربستہ رہے ہیں۔ سو۔۔۔ انکی مخالف امیدوار کے بانٹے گیئے قیمے والے نان، روسٹ، سجی اور ٹھنڈی ٹھار بوتلوں کے علاوہ چائے سموسے پھڑکانے اور انکی ہی ہائیر کی گئیں سواریوں میں ٹھاٹھ کے ساتھ سفر کرنے کے باوجود لوگوں نے ووٹ انہیں ہی ڈالے تھے۔ ۔ جیسے ہی نتیجے کا اعلان ہوا، باؤ رفیق اور بھابھی رضوانہ کے حامیوں نے ڈھولوں کی تھاپ پر بھنگڑے ڈالتے ہوئے پورا علاقہ سر پر اٹھالیا تھا۔ اس بار عوام نے واقعی اپنی "ووٹ پاور" کا صحیح استعمال کیا تھا۔ بغیر لالچ میں آئے، بنا ڈرے،۔ بنا جھکے آخرکار عوام الناس نے اپنے لیئے، اپنی آئیندہ نسل کی فلاح کے لیئے درست امیدوار چن ہی لیئے جو واقعی خود کو انکا خادم سمجھتے تھے۔ پاور اور پیسے کے چکر میں پڑ کر انکے مالک بننے کی کوشش نہیں کرتے تھے، اور انکے اس جذبہِ حب الوطنی کا انعام تو انہیں بہرحال ملنا ہی تھا۔ سورب

کی طرف سے عطا کیئے گیئے اس انعام پر شکرانہ بھی تو واجب تھا، اور وہ شکرانہ ادا کر بھی رہے تھے۔۔ خلوصِ نیت اور دردمندی کیساتھ اپنی اپنی پوزیشنز اور پاورز کو عوام الناس کی فلاح اور بہتری کے لیئے استعمال کر کے۔۔۔۔۔۔

یارو۔!! دعا کرو کہ عوام الناس کے اسبار کے چنُے گئے نمائندے ایوانِ اقتدار میں آکر اقتدار کے نشے میں مست ہو کر پیچھے رہنے والے، اپنے محسنوں کو بھول نہ جائیں۔ اقتدار کی مایا انہیں اکڑا نہ دے کہ پھر وہ کبھی جھک ہی نہ سکیں۔ نہ اپنے عوام کے سامنے اور نہ ہی اپنے رب کے حضور۔۔۔ کہ اب تک تو ایسا ہی ہوتا آیا ہے۔ دعا کرو یارو۔۔ دعا کرو۔۔ کہ اب کی بار تبدیلی آ ہی جائے۔۔ دلوں میں۔۔ ذہنوں میں۔۔ اعمالوں میں۔۔۔ دعا کرو یارو۔۔ دعا کرو۔

ختم شُد

آپکی قیمتی رائے کا انتظار رہے گا۔۔